ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

Political Rights of Minorities in the Light of Quran and Sunnah

اقلیتوں کے سیاسی حقوق قران وسنت کی روشنی میں

[1]**Javed Iqbal**

[2]**Hafiz Attiq Ur Rehman**

[3]**Zia Ud Din Khan**

[4]**Aziz Ur Rehman**

Abstract:

When we talk about human rights in Islam we mean to say that these rights have been bestowed by Allah Almighty; they have not been granted by any emperor or any legislative assembly. The rights given by the rulers or by the legislative assemblies, can be taken back in the same way in which they are conferred. The rights given or accepted by any powerful king he can withdraw when he is unhappy; and he can violate them when he likes. In Islam human rights have been given by Allah, no worldly legislative parliament, or any government in the world has any amendment or change in the rights granted by God. Nobody can abolish them or withdraw them. Islamic human rights are not like those rights conferred on paper just for pump and show and denied in actual life when the show is over. It is very clear that the concept of Islam in regard to the human rights is based upon equality, dignity, respect and justice for all human beings. The western concept of basic human rights is a manmade philosophy of law, in some ways it may right or wrong because it is not God gifted. Western people have done a long struggle to attain basic human rights since Magna Carta to present age but Islamic law is bestowed by Almighty Allah. In this study effort are made to compare fundamental human rights in the light of Islamic teachings and French laws. Comparative and analytical research methodology is adopted in this study with qualitative approach. This study perceives that Islamic teachings has all kind of rights and duties, liberties and duties. However, it binds the rights with duties and liberties with responsibilities, which make it distinguish to any other man mad laws including French laws.

Keywords: Islamic teachings, French laws, human rights, equality, humanity, comparison

حضورﷺ نے پہلی اسلامی و نظریاتی ریاست کی بنیاد مدینہ میں رکھی۔ مدینہ میں صرف مسلمان ہی آباد نہیں تھے بلکہ یہود بھی اسلام کی اس پہلی نظریاتی ریاست کے شہری تھے گویا اسلام کی یہ پہلی ریاست (pluralistic) تکثیری سوسائٹی تھی میثاق مدینہ میں دینی، مذہبی اور اعتقادی کے علاوہ سیاسی اور معاہداتی وحدت کا تصور بھی دیا گیا۔ یہ تصور سیاسی مفہوم کی ایک ایسی نئی توسیع تھا جس کی پہلے کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس معاہدہ میں اقلیتوں کو ہر طرح کے مذہبی، اخلاقی، اقتصادی، معاشی

[1] M.Phil Lahore Leads University, Lahore, E.Mail: hassanjaved5050@gmail.com

[2] M.Phil Lahore Leads University, Lahore, E.Mail: attiqurahman82a1@gmail.com

[3] M.Phil Lahore Leads University, Lahore, E.Mail: ziakhanibus@gmail.com

[4] M.Phil Lahore Leads University, Lahore.

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

،معاشرتی وسماجی اور سیاسی حقوق عطا کیے گئے۔اس معاہدے کے آرٹیکل نمبر تین کے تحت معاہدے میں شامل فریقوں کو برابری کی سطح پر حقوق عطا کر کے ایک سیاسی وحدت قرار دیا گیا۔

أَنَّهُمْ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ مِنْ دُونِ النَّاسِ [1]

" باقی دنیا کے لوگوں سے میثاق مدینہ میں شامل فریقوں کو الگ حیثیت حاصل ہو گی"۔

اس چارٹر کی شق نمبر تیس کے مطابق:

« و إن يهود بني عوف أمة مع المؤمنين، لليهود دينهم، و للمسلمين دينهم، مواليهم و أنفسهم، إلا من ظلم و أثم، فإنه لا يوتغ إلا نفسه، و أهل بيته» [2]

ترجمہ: اور بنی عوف کے یہودی مومنین کے ساتھ سیاسی وحدت تسلیم کیے جاتے ہیں یہودیوں کو ان کا دین اور مسلمانوں کو ان کا دین موالی ہو یا اصل ہو جو کوئی ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے گا تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

حضور ﷺ نے اسلامی ریاست کے قیام کے وقت ہی یہ بات باور کرادی کہ اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں کو بھی سیاسی حقوق حاصل ہوں گے اور ریاست انھیں دوسرے درجے کا شہری خیال نہیں کرے گی۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاۗءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاۗءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ [3]

ترجمہ: لوگوں ! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس سے جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے باکثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیئے اور تم اللہ تعالی سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قربت سے بھی کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اس ایتِ کریمہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نسلی اعتبار سے سب انسان برابر ہیں اور انھیں برابر حقوق حاصل ہیں تفریق مذہب وعقیدہ اور عددی اقلیت کی بنا پر کسی گروہ کو ان حقوق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔اسلام حدود قیود کے اندر رہ کر اقلیتوں کو سیاسی حقوق عطا کرتا ہے۔

مثلاً شہریت کا حق، رائے اور اجتماع کا حق، تقریر و تحریر کی آزادی کا حق، سرکاری عہدوں کی تولیت وانتخاب اور مجلس نیابت کا حق۔

شہریت وسکونت کا حق:

شہریت اور سکونت کے حق سے مراد ہے کہ غیر مسلموں کو دارالاسلام میں قیام، نقل وحرکت اور محل قیام کی آزادی حاصل ہے۔ جہاں وہ چاہیں رہائش پذیر ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ اہل دارالاسلام میں سے ہیں اور یہ ان کا حق ہے۔

ان دو مقامات کے علاوہ

(۱) حرم (۲) حجاز

الحرم: هو مكة وماطاف بهامن نصيب حرمها

ترجمہ: مکہ اور اس کا گردونواح حرم ہے۔

الحجاز: هو مكة والمدينة واليمامة وقراهاكا لطائف وخيبر [4]

ترجمہ: مکہ، مدینہ، یمامہ اور اس کے اس پاس کی بستیاں جیسے طائف اور خیبر ہیں۔

---

[1]) السيرة النبوية والتاريخ الإسلامي، 1،42

[2]) الاکتفاء بما تضمنہ من مغازي رسول اللہ ﷺ والثلاثة الخلفاء، 1،298، میثاق مدینہ، دنیا کا سب سے پہلا تحریری معاہدہ، طاہر القادری، منہاج القران پبلی کیشنز، لاہور، ء، ص: -

[3]) سورۃ النساء: ۴،۱

[4]) الاحکام السلطانیۃ، ص:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

حرم سے مراد مکہ اور گرد و نواح اور حجاز سے مراد مکہ ، مدینہ ، یمامہ اور اس کی بستیاں جیسے طائف اور خیبر۔ فقہاء نے حرم اور حجاز میں غیر مسلموں کے قیام و سکونت پر اختلاف کیا ہے،

ذهب الشافعيةوالحنابلة:

يمنع غيرالمسلمين فى الاقامة فى الحجاز خاصةوالحجازعندهم :

مكة والمدينة واليمامة ومنحاليفها اى قرارها الثلاثة كاالطائف والمكة والخيبر للمدينة وما الاهما۔[1]

ترجمہ: حنابلہ اور شوافع کے نزدیک غیر مسلموں کو حجاز میں سکونت اختیار کرنے سے روکا جائے گا۔ اور ان کے نزدیک حجاز سے مراد مکہ ، مدینہ ، یمامہ اور آس پاس کی آبادیاں ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

ان يجوز لغيرالمسلمين فى اقامة فى الحجاز الامكة اى حرم۔[2]

ترجمہ: حرمِ مکہ کے سواوہ غیر مسلم حجاز میں سکونت اختیار کر سکتے ہیں ۔

اور اس کا تمام فقہاء نے قرآن حکیم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾۔[3]

ترجمہ: اے ایمان والو بے شک مشرک ناپاک ہیں اور وہ مسجد حرام کے پاس اس سال کے بعد نہ آئیں۔

ابن قیم کا قول ہے:

« جميع الصحابة و الا ئمة فهموا من قوله تعالى فلا يقربوا المسجدا لحرام بعد عامهم هذا ان المراد مكة كلها والحرم»۔[4]

اس سے مراد پورا مکہ اور حرم کعبہ ہے دوسری دلیل بخاری شریف میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا :

« أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ » ۔[5]

ترجمہ: مشرکوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔

دوسری حدیث ترمذی شریف میں حضرت عمر سے مروی ہے:

أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَأُخْرِجَنَّ اليَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ العَرَبِ، فَلَا أَتْرُكُ فِيهَا إِلَّا مُسْلِمًا»۔[6]

ترجمہ: میں یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا اور اس میں صرف مسلمانوں کو رہنے دوں گا ۔

مندرجہ بالا دلائل قرآن و سنت سے ہیں، جن کو فقہاء نے دلیل بنایا ہے اس کے بعد تیسری دلیل حضرت عمرؓ کے فعل کو بنایا ہے، آپ ﷺ نے یہود و نصاریٰ کو حجاز سے جلاوطن کیا اور یہ کام صحابہ کرام کی مشاورت سے کیا اور تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کیا۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک جزیرہ عرب سے مراد حجاز ہے کیونکہ یمن میں ذمیوں کو نہ حضور ﷺ نے جلاوطن کیا نہ تینوں خلفاء راشدین میں سے کسی نے کیا۔

و لم يعرف عن امام انه اجلا هم من اليمن ۔[7]

ترجمہ: اور کسی بھی خلیفہ کے بارے میں روایت نہیں ملتی کہ اس نے انہیں یمن سے (ذمیوں) کو جلاوطن کیا۔

---

1) المغنی، ۱۰/

2) الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ، الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدای، مکتبہ مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹ھ -

3) سورۃ التوبہ: ۹/۲۸

4) احکام اھل الذمۃ، ص:

5) الصحیح، البخاری، بشرح العینی، ۷/

6) ترمذی، بشرح ابن العربی المالکی، المطبعۃ دار الفکر، بیروت، ھ، ۷/۱۰۸

7) احکام اھل الذمۃ، ص:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

یعنی بعد کے خلفاء میں سے کسی نے بھی ان کو یمن سے جلاوطن نہیں کیا اور آج لوگ حضرت عمر کے فعل کو دلیل بناتے ہیں کہ آپ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو جلاوطن کیا تو اس کی وجہ اس کے علاوہ ہے، کہ انہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور سودی کاروبار شروع کر دیئے تھے اور موزی اسلحہ بنانا شروع کر دیا اس وجہ سے حضرت عمر نے ان کو مرکز دار الا اسلام سے نکال دیا۔

جبکہ یمن بھی جزیرہ عرب کے اندر ہے لیکن ان کو جلاوطن نہیں کیا۔ اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ جزیرہ عرب سے مراد حجاز ہے۔

ماوردی کہتے ہیں:

« اما الحجاز فلا یجوز ان یستوطنہ مشرک من کتابی او وثنی »[1]

ترجمہ: مشرک، بت پرست اور اہل کتاب حجاز میں سکونت اختیار نہیں کر سکتے اس کے علاوہ عرب میں کسی جگہ پر بھی سکونت پر ان کو منع نہیں کیا جائے گا۔

احناف کے نزدیک غیر مسلموں کو جزیرہ عرب، حجاز یہاں تک کہ حرم کعبہ میں بوجہ ضرورت داخل ہونے سے منع نہیں کیا جا سکے گا۔ سیر الکبیر میں ہے کہ:

« واذا دخلها ای ارض العر ب مشرك تاجرا على يتجرو يرجع الى بلاده لم يمنع من ذلك و انما يمنع ان يطيل فيها المكث حتى يتخذ فيها مسكنا »[2]

ترجمہ: جب کوئی مشرک تاجر سرزمین عرب میں تجارت کی غرض سے داخل ہو اور تجارت کے بعد اپنے ملک واپس لوٹ جاتا ہو روا سے منع نہیں کیا جائے گا اور اس وقت منع کیا جائے گا اگر اس کا قیام اتنا طویل ہو جائے کہ وہ اس جگہ سکونت اختیار کرے۔

شوافع، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک ہے۔

« لغير المسلين دخول مامنعومنه من جزيرة العرب او الحجاز الاالحرم »[3]

ترجمہ: غیر مسلموں کو جزیرہ عرب اور حجاز سے نہیں روکا جائے سوائے حرم کے۔

پس « ومنع غير الحنفية دخول غير المسلمين الحرم »[4]

ترجمہ: احناف کے علاوہ باقی تمام نے غیر مسلموں کو حرم میں داخل ہونے سے منع کیا ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ غیر مسلم تمام مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں ان کے نزدیک ممانعت کی دو وجوہات ہیں

i) اس آیت میں جن کو مسجد حرام سے منع کیا گیا ہے وہ مشرکین عرب ہیں وہ مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتے

ii) غیر مسلم حرم میں حج کی غرض سے داخل نہیں ہو سکتے۔ احناف کے نزدیک جب غیر مسلم حرم میں داخل ہو سکتے ہیں تو باقی تمام مقامات پر وہ بالاولی داخل ہو سکتے ہیں لیکن جمہور علماء نے غیر مسلموں کے حرم میں داخل ہونے کو جائز قرار نہیں دیا اور دلائل کی مضبوطی سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کا حرم میں داخلہ ممنوع ہے اس کے علاوہ غیر مسلم تمام دار لاسلام میں نقل و حرکت کر سکتے ہیں ان کو منع نہیں کیا جا سکتا۔ اگر امام کو ڈر ہو کہ غیر مسلم معاشرتی انتشار و بدامنی کا سبب بن رہے تو وہ ان پر بوقت ضرورت پابندی لگا سکتا ہے۔ دار الاسلام میں غیر مسلم ان مقامات کے علاوہ جن میں ان کو ممانعت ہے کسی جگہ پر بھی رہائش پذیر ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ بھی اھل دار الاسلام میں سے ہیں۔

اظہار رائے اور اجتماع کا حق:

اظہارِ رائے کی آزادی کے بغیر کسی بھی معاشرے میں جمہوری اقدار قائم نہیں ہو سکتیں۔ اسلام نے ہر شہری کو یہ حق عطا کیا ہے کہ ریاست کے معاملات و مسائل میں وہ اپنی رائے دے سکتا ہے۔ قران مجید نے مومنوں کی یہ صفت بتائی ہے کہ:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾[5]

ترجمہ: وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

---

1) الماوردی، ابوالحسن، الامام، الحاوی، المطبعۃ المحمودیۃ النجاریۃ، مصر، س.ن، ج ، ۱۹ -

2) الشیبانی، محمد بن الحسن، الامام، (م ھ)، شرح کتاب السیر الکبیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۷ء -

3) البحر الرائق، ابن نجیم، زین العابدین، مکتبہ الرشیدیہ، کوئٹہ، س.ن، ص:

4) الاشباہ والنظائر فی الفروع، السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابو بکر، الامام، الشافعی، (ھ)، مطبعۃ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ھ، ص:

5) سورۃ آل عمران: ۳: ۱۱۰

Vol.5 No.4 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اس ایتِ کریمہ سے نہ صرف اس آزادی کی ضمانت مہیا ہو جاتی ہے۔ بلکہ آزادی کے استعمال کا رخ بھی متعین ہو جاتا ہے۔ ایک مسلمان کو اس آزادی کی اجازت نیکی کے فروغ کے لئے دی جاسکتی ہے۔ برائی کو پھیلانے کے لئے اِسے یہ اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے کہ یہ منافقوں کی صفت ہے۔ قرانِ مجید نے منافقین کے بارے میں فرمایاہے:

﴿ يَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ لْمَعْرُوْفِ ﴾[1]

ترجمہ: برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں۔

اسلامی ریاست کے اندر غیر مسلموں کو رائے اور مافی الضمیر کے اظہار اور اجتماع کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس سلسلے میں جو قانونی پابندیاں مسلمانوں کے لیے ہیں وہی ان کے لئے ہوں گی۔

اس سے مراد ہے کہ انسان رائے قائم کرنے میں آزاد ہو وہ کسی کا تابع نہ ہو وہ اپنی مرضی سے رائے قائم کرسکے اور اس کا اظہار اس انداز سے کرے جیسے وہ چاہتا ہو یعنی انسان مستقل رائے رکھتا ہو چاہے وہ رائے لوگوں کی غالب اکثریت کی رائے کے برعکس ہی کیوں نہ ہو۔ اسلام آزادی رائے کا حامی ہے جیساکہ غزوہ احزاب کے موقع پر حضور ﷺ نے صحابہ سے جنگ کی حکمت عملی طے کرنے کے لئے مشاورت کی تو حضرت سلیمان فارسی جو کہ غیر عرب تھے حضور ﷺ نے ان کی رائے کو پسند کیا اور پھر اس پر عمل کیا اور مدینہ کے گرد خندق کھدوائی، اس طرح آپ ﷺ کی رسالت کے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لئے مہاجرین وانصار نے اپنی اپنی رائے دی۔ اور دلائل پیش کئے۔ اسلام آزادی رائے کے بارے میں ہدایت کرتا ہے کہ اگر کوئی رائے امام کی رائے کے برعکس ہو تو بھی تحمل سے سنیں جب رائے کا حق مسلم ریاست کے اندر مسلمان کو ہے تو اسی طرح غیر مسلم کو بھی حاصل ہے، کیونکہ دونوں ایک ہی نظام کے تابع ہیں اور اسلامی ریاست کے شہری ہونے کی حیثیت سے برابر کے حقوق رکھتے ہیں وہ اپنے متعلقہ معاملات میں رائے دینے میں آزاد ہیں لیکن اسلامی حدود اور قانون میں وہ اپنی رائے نہیں دے سکتے۔

« فلا یجوز لھم الطعن فی العقیدۃ الاسلامیۃ بحجۃ حریۃ الراءی»[2]

ترجمہ: آزادی رائے کو حجت بناکر وہ اسلامی عقیدے میں طعن نہیں کرسکتے۔

آزادئ رائے کی حدود و قیود:

اسلام مطلقاً رائے کی آزادی نہیں دیتا کہ کسی انسان کے دل میں جو آئے وہ اس کا کھلے عام اظہار کرتا پھرے بلکہ اسلام نے رائے کے اظہار کے لئے حدود و قیود قائم کی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) جب کسی کی آزادیء رائے سے فتنہ وفساد پھیلنے اور معاشرتی امن وسکون میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو تو امام ایسے شخص کے اظہار رائے پر پابندی لگاسکتا ہے اور علاقہ بدر بھی کرسکتا ہے جیساکہ:

« ما فعلہ عثمان بن عفان عند ما احرج ابا ذر الی ربزۃ خشیۃ ان لوء دی ارء اوہ التی یجھرھا الی التفاف الناس حولہ وقیام الفتنتہ ضدالنظام القائم»[3]

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفانؓ نے ابوذرؓ کو ربذہ کی طرف بھیج دیا۔ اس ڈر سے کہ ان کی شعلہ بیانی سے نظام ریاست میں خلل کا خدشہ لاحق ہوگیا تھا۔

۲) ایسی رائے کا اظہار بھی جائز نہیں جس سے نفسیاتی خواہشات، بدعت اور گمراہی پھیلے۔

امام شافعیؒ کا قول ہے:

« لوعلم الناس مافی الکلام من الاھواء لفروامنہ فرارھم من الاسد»[4]

---

[1])سورۃ التوبہ: 9، 67

[2]) السلطۃ والحریۃ فی النظام الاسلامی، صبحی عبدہ سعید، الدکتور، الناشر دار الفکر العربی، مطبعۃ جامعۃ القاھرۃ، ء، ص:

[3]) الحریات العامۃ فی الفکر والنظام السیاسی، عبدالکریم حسین العیلی، الدکتور، دار الفکر العربی، بیروت، ء، ص:

[4])ایضاً، ص:

Vol.5 No.4 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

ترجمہ : اگر لوگوں کو علم ہو جائے کہ خواہشات کے بارے میں گفتگو کس قدر خطرناک ہے تو وہ اس سے اس قدر بھاگتے جیسے شیر سے ڈر کے بھاگتے ہیں ۔

۳) ایسی ازادی رائے جس سے دوسروں کی عزت کو نقصان پہنچے اور ان کی پوشیدہ باتیں لوگوں کے سامنے بیان کی جائیں یہ بھی جائز نہیں اسلام اس پر پابندی عائد کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِي الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾[1]۔

ترجمہ : بیشک وہ لوگ چاہتے ہیں فحاشی پھیلے ان لوگوں میں جو ایمان لائے ہیں ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

اسی لیے اسلام نے مختلف جرائم کی سزائیں مقرر کی ہیں تاکہ معاشرے کا امن برباد نہ ہو۔

۴) ایسی رائے جس کے اظہار سے دوسرے کو ایذا پہنچے وہ بھی جائز نہیں۔

اسلامی ریاست کی تمام رعایا قانون کی حد میں رہ کر حکومت پر، اس کے حکام اور اسلامی ریاست کے سربراہ پر تنقید کر سکتی ہے۔ لیکن یہ تنقید فساد پھیلانے کے لیے نہ ہو بلکہ اصلاح کے لئے ہو۔ جس طرح مسلمان مذہبی معاملات کے بارے میں گفتگو کرنے میں آزاد ہیں اسی طرح غیر مسلم بھی آزاد ہیں اگر اس غیر مسلم کی تبلیغ سے کوئی اور غیر مسلم جو اس کے علاوہ مذہب پر ہو اور متاثر ہو کر تبلیغ کرنے والے غیر مسلم کے دین کو قبول کرے تو ریاست کی طرف سے اس پر کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا ۔

لہذا ہر غیر مسلم اپنے عقیدے کے مطابق عمل کرنے لیے آزاد ہے اس پر اسلامی ریاست کوئی پابندی عائد نہیں کرے گی اور نہ ہی اس کو اپنا عقیدہ بدلنے پر مجبور کیا جائے گا کیوں اسلام اعتقادی جبر کی مخالفت کرتا ہے۔

۵) ایسا اجتماع بھی جائز نہیں جس کا مقصد اسلامی عقائد اور دینی امور کی مخالفت کرنا ہو۔

اجتماع کے حق سے مراد وہ حق ہے کہ لوگ کسی جگہ پر اکھٹے ہو کر کسی مشترکہ معاملے پر اپنی اراء کا اظہار کر سکیں۔ اس کی دلیل صحابہ اکرام کا آپ ﷺ کی رحلت کے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے ثقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع کرنا ہے۔ جس طرح اسلامی شریعت میں ایسا کوئی قاعدہ ضابطہ موجود نہیں جس میں اہل ذمہ کو اجتماع سے منع کیا جائے۔ وہ اپنے مسائل کے حل کے لیے اجتماع کرنے میں آزاد ہیں۔

حدود و قیود :

اجتماع کے لئے بھی اسلام نے کچھ اصول و ضوابط قائم کیے ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) لوگ اس لئے اکٹھ نہ کریں جس کا مقصد عامۃ الناس کی رائے پر ضرب لگانا اور فساد پھیلانا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا﴾[2]۔

ترجمہ : زمین پر امن قائم ہونے کے بعد فساد مت پھیلاو۔

۲) اجتماع عام میں خطرناک ہتھیار اٹھانا جائز نہیں ہے۔

سرکاری عہدوں کی تولیت کا حق :

اس کے باوجود کہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہوتی ہے۔ اور اس کے امور خاص کو اسلامی نقطہ نظر سے چلانا ضروری ہے۔ اس کے باوجود اسلام کے چند مخصوص عہدوں جن پر دینی رنگ غالب ہوتا ہے : مثلاً امامت، سربراہی سلطنت، سپہ سالاری، قضاء اور صدقات کی تقسیم کے علاوہ دوسرے سرکاری وظائف ذمیوں کے سپرد کیے جا سکتے ہیں اور ان کو قابلیت، ذہانت، امانت داری اور وفاداری کی بنیاد پر ان عہدوں پر فائز کیا جائے گا۔ شریعت اسلامی کے مطابق ریاستی امور کا ذمہ دار بننا افراد کا ریاست پر حق نہیں، بلکہ یہ ایک ذمہ داری ہے جب ریاست کسی فرد کو اس قابل دیکھے گی تو اسے ذمہ دار بنائے گی۔

---

[1] سورۃ النور: ۲۴، 19

[2] سورۃ الاعراف: ۷، ۵۶

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

« وواجب يقوم به اذاعهد به اليه »[1]

ترجمہ: جب کسی فرد کو ذمہ داری دی جائے تو اس کو نبھانا فرد پر واجب ہے۔

بخاری شریف میں ابو موسیٰ اشعری سے ایک حدیث بھی مروی ہے کہ: میں اپنے دو چچازاد بھائیوں کے ساتھ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔

« فَقَالَ أَحَدُ الرَّجُلَيْنِ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَمِّرْنَا عَلَى بَعْضِ مَا وَلَّاكَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَقَالَ الْآخَرُ مِثْلَ ذَلِكَ، فَقَالَ: إِنَّا وَاللهِ لَا نُوَلِّي عَلَى هَذَا الْعَمَلِ أَحَدًا سَأَلَهُ، وَلَا أَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ»[2]

ترجمہ: ان میں سے ایک نے کہا: یا رسول ﷺ: ہمیں کسی کام کا ذمہ دار بنائیں جس کا اللہ نے آپ کو والی بنایا ہے۔اور دوسرے نے بھی اسی مثل کی بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ہم کسی ایسے شخص کو والی مقرر نہیں کرتے جو اس کا سوال کرے یا حرص (لالچ) کرے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سرکاری عہدہ حاصل کرنا فرد کا حق ہوتا تو حضور ﷺ یہ نہ فرماتے کہ جو عہدہ مانگتا ہے ہم اسے عہدہ عطا نہیں کرتے۔

وظائف کی دو اقسام ہیں:

ایک وہ امور جو عقیدہ اور عبادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ان پر صرف اور صرف مسلمان کو والی مقرر کیا جاسکتا ہے۔مثلاً سپہ سالاری کیونکہ جہاد عبادات میں سے ایک اہم عبادت ہے تو امیر الجیش غیر مسلم کو مقرر نہیں کیا جاسکتا۔اگرچہ ملکی دفاع کی غرض سے غیر مسلم بھی مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں۔

« وان كان غير المسلمين ان يشتركوا مع المسلمين فى الدفاع عن دارالاسلام-- ان يكون قائد الجيش مسلما و هكذا فى جمع الذكاة والافتاء »[3]

ترجمہ: اگر مسلمانوں کیساتھ دار الاسلام کے دفاع کے لئے غیر مسلم بھی شامل ہوں تو لازم ہے کہ امیر الجیش مسلمان ہو اسی طرح زکوۃ جمع کرنے میں اور افتاء میں ۔

۲) وہ امور جن کا تعلق دنیاوی سیاست سے ہے ان میں غیر مسلموں کو ذمہ دار مقرر کیا جاسکتا ہے۔

اس ضمن میں ماوردی رقمطراز ہیں۔

« ولا يشترط فيمن يتولاها ان يكون مسلما ماعدا الخليفة والقاضى عند الجمهور الفقها»[4]

ترجمہ: جمہور کے نزدیک خلیفہ اور قاضی کے علاوہ باقی معاملات کی ذمہ داری سونپنے میں ذمہ دار شخص کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔

ان کے خلیفہ اور قاضی کے علاوہ باقی معاملات پر غیر مسلموں کو والی بنایا جاسکتا ہے یعنی اقلیتی فرد کو وزارت تنفیز بھی دی جاسکتی ہے یہ وزیر حاکم کے احکامات کو متعلقہ افراد تک پہنچا کر انھیں عملی جامہ پہناتا اور انھیں نافذ کرتا تھا تاریخ اسلام میں بہت ساری مثالیں ملتی ہیں کہ مسلمان حکمرانوں نے غیر مسلموں کو ریاستی امور میں مختلف عہدوں پر فائز کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں جو نئے علاقے خصوصاً صلح کے ذریعہ اسلامی ریاست کا حصہ بنے وہاں کے انتظامی امور جن غیر مسلموں کے پاس تھے بعد میں بھی کم وبیش انھیں کے پاس رہے۔ عباسیوں کے زمانے میں بعض عیسائی براہ راست ریاستی امور میں شریک رہے۔ یہاں تک کہ عہدہ وزارت پر بعض عیسائی متعین کیے گئے ۔ مثلاً تاریخ الیعقوبی میں نقل ہے کہ نصر بن ہارون (ھ) اور عیسیٰ بن نسطورس (ھ) میں وزیر بنا۔ حضرت امیر معاویہ کے عہد میں حمص میں زکوۃ ودیگر واجبات کی وصولی کے لیے ایک عیسائی شخص کو ذمہ دار مقرر کیا گیا تھا۔

مشہور انگریز مستشرق واٹ (watt) نے اعتراف کیا ہے:

"The chiristan were probably better off as Dhimis under Muslim Arab rulers than they had been under the byzantine Greeks[5]"

" مسلمانوں کے دورِ اقتدار میں) عیسائی، عرب مسلمان حکمرانوں کے اقتدار میں بطور ذمی اپنے آپ کو یونانی بازنطینی حکمرانوں کی رعیت میں رہنے سے زیادہ بہتر سمجھتے تھے"۔

حقیقت یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کا دور حقوقِ انسانی کا بہترین دور تھا جس کی مثال اج تک تاریخ عالم میں نہیں ملت

---

1) احکام الذمیین والمستامنین فی دارالاسلام، عبدالکریم زیدان، الدکتور، نشرت جامعۃ بغداد الطبعۃ الاولی، ھ، ص:

2) بخاری، الصحیح، بشرح العینی، ۱۴

3) احکام الذمیین والمستامنین، ص:

4) الاحکام السلطانیۃ، ص: -

5) Watt.M.Watt ,Islamic Political Thought,p.155